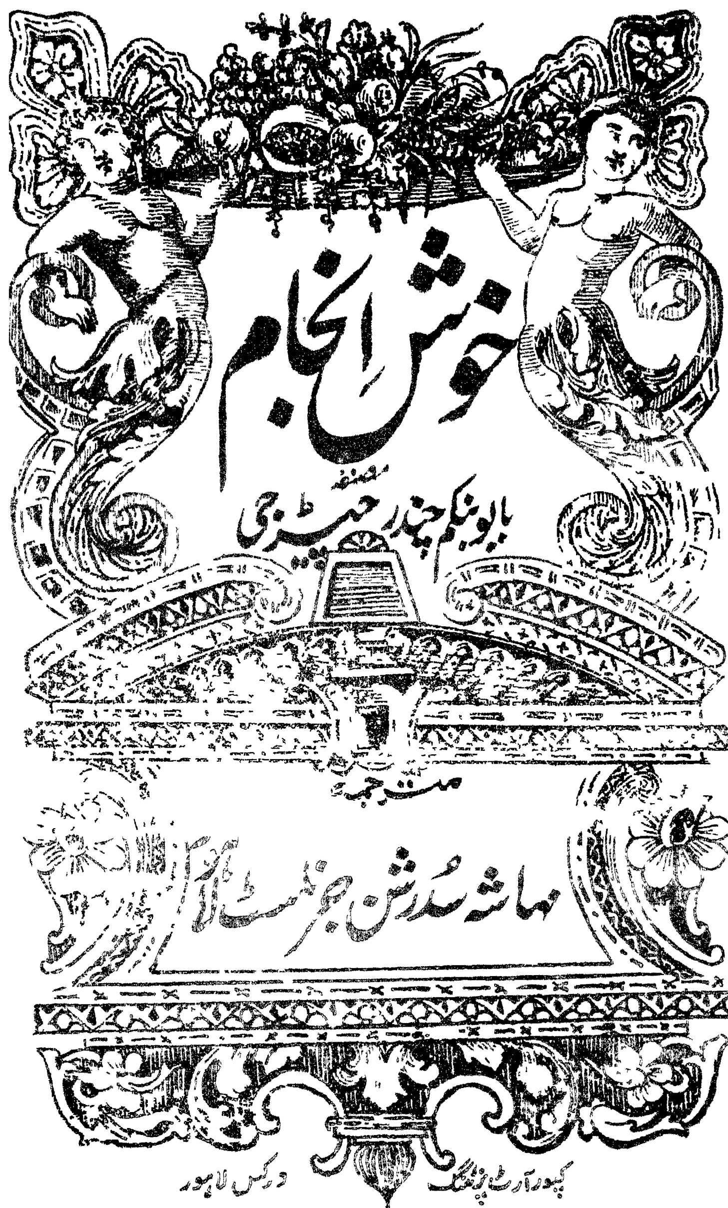


خوش انجام

مصنفہ

بابو بنکم چندر چیٹرجی

مترجمہ

مہاشہ سدرشن جی [illegible]

کپور آرٹ پرنٹنگ ورکس لاہور

اوم

خوش انجام

راۓ بہادر بابو بنکم چندر چٹرجی سی آئی ای مرحوم کے
ایک دلچسپ قصے کا اُردو ترجمہ

از

مہاشہ سُدرشن جرنلسٹ لاہور

مترجم
قدرت کے کھیل۔ زہریلا آبحیات۔ راج سنگھ۔ رنج و راحت

جسے

بیسر راجپت راۓ پرتھوی راج ساہنی تاجران کتب اندرون موری دروازہ لاہور نے شائع کیا

پہلی بار ۱۰۰۰ جلد قیمت فی جلد ۱۲؍

پبلشرز
میسرز لاجپت رائے پرتھوی راج
تاجران کتب لاہور

پرنٹر

دیباچہ

بنکم بابو کے دلفریب اور عبرت انگیز ناولوں کا جو سلسلہ شروع کیا گیا ہے۔ وہ ہماری اُمیدوں سے بڑھ کر کامیاب ہوا ہے۔ اور لوگوں نے اُسے اسقدر پسند کیا ہے۔ کہ تھوڑے عرصہ میں ہی "قدرت کے کھیل" اور "زہریلا آبحیات" دونو کے پہلے اڈیشن ختم ہو چکے ہیں۔ اور راج سنگھ بھی دوبارہ چھپنے والا ہے۔ اسکے لئے ہم اُردو خواں اصحاب کے شکرگذار ہیں۔ جنہوں نے ہماری حوصلہ افزائی کی ۔

خوش انجام اِس سلسلہ کی چوتھی کڑی ہے۔ یہ ناول نہیں۔ بلکہ ایک معمولی قصہ ہے۔ لیکن اِسکے چند صفحوں میں ہی بنکم بابو نے وہ کچھ بھر دیا ہے۔ جو دیگر ضخیم ناولوں میں بھی نہیں ملتا۔ درحقیقت بنکم بابو کی ذات پر بنگال نہیں۔ بلکہ سارا ہندوستان جسقدر فخر کرے کُسیقدر کم ہے۔ کہ اُسکے جادو رقم قلم نے ہندوستانی ناولوں کا درجہ دُنیا کے سامنے بہت بلند کر دیا ہے ۔

اِس قصہ کو لکھنے سے مصنف کا مدعا محض یہ ہے۔ کہ جذبہ شکرگذاری انسان پر فرض ہے اور جب تک اُسے اُتار نہ لیا جائے۔ تب تک دل کو آرام نہیں ملتا۔ سادھا رانی پر کمسنی میں ایک اجنبی احسان کرتا ہے۔ اور وہ اُسے نہ صرف یاد رکھتی ہے۔ نہ صرف اُس کا احسان تسلیم کرتی ہے۔ بلکہ فیصلہ کرلیتی ہے۔ کہ میرے جسم و دل پر اگر کوئی قابض ہوگا۔ تو وہی شخص جسنے عالمِ افلاس میں مجھ سے کلمات ہمدردی کہے تھے۔ اور اُسوقت مجھ سے محبت کا اظہار کیا تھا۔ جب دُنیا میں میرے لئے چاروں طرف تاریکی ہی تاریکی تھی۔ صرف اِتنا ہی نہیں۔ وہ اپنی یاد تک اُس اجنبی کی نذر کردیتی ہے اور تصفیہ کرلیتی ہے۔ کہ اگر اُس کا پتہ نہ ملا۔ تو اُسکے نام کی مالا جپتے ہوئے دُنیا کی بہار کو تنہائی میں گذار دونگی۔ کیسا ایثار ہے۔ جسکی نظیر بھارت کے سوائے کسی اور ملک میں نظر نہیں آسکتی ۔

اِس سلسلے کا پانچواں نمبر رنج و راحت ہوگا۔ اِس کا ترجمہ بھی اُردو کے مشہور فسانہ نگار مہاشہ سدرشن نے ہی کیا ہے۔ جو بنکم بابو کے مخصوص انداز کو اُردو میں بنھانے میں بہت شہرت حاصل کرچکے ہیں۔ ترجمہ مکمل ہوچکا ہے۔ کتابت ہورہی ہے۔ عنقریب نکل جائیگا ۔

لاجپت رائے

خوش انجام

پہلا باب

بڑے گھر کی بیٹی

رادھا رانی بڑے گھر میں پیدا ہوئی تھی۔ لیکن اب دانے دانے کو ترستی تھی۔ اُس کا باپ لاکھوں کا وارث تھا۔ لیکن اُسکی موت کے ساتھ ہی بقیہ کنبے کی قسمت نے بھی چکر کھایا۔ اور اُن پر مقدمے بن گئے۔ اُن مقدموں میں رادھا رانی کے ماں کے ہاتھ سے نہ صرف ساری جائداد ہی جاتی رہی بلکہ اُسے اپنے گھر سے بھی نکلنا پڑا۔ جو روپوں میں کھیلتی تھی۔ جو دس لاکھ کے قریب کی مالکہ تھی۔ وہ پیسہ پیسہ کو محتاج ہو گئی۔ جو امارت میں پیدا ہوئی تھی۔ جو عیش و آرام میں پلی تھی۔ اُس پر آسمان ٹوٹ پڑا۔ لیکن مقدمے کا چسکا بُرا ہوتا ہے۔ رادھا رانی کی ماں چاہتی۔ تو زیوروں پر بآسانی بسر اوقات کر سکتی تھی۔ مگر دس لاکھ کی جائداد ہاتھ سے جاتی دیکھ کر وہ

خاموش نہ رہ سکی۔ اُسنے اپنے سارے زیور فروخت کرکے پریوی کونسل میں اپیل دائر کروادی۔ اور آپ فاقے کرنے لگی ؞

جب بُرے ایام آتے ہیں۔ تو قسمت تبدیل ہوجاتی ہے۔ اور کوئی امداد کو آگے نہیں بڑھتا۔ اچھے دنوں میں جو لوگ رفاقت کا دعوےٰ کرتے ہیں۔ وہ منہ پھیر لیتے ہیں۔ اپنے پرائے ہوجاتے ہیں۔ اور رشتہ دار خط کا جواب نہیں دیتے۔ جو واقف کار ہوتے ہیں۔ وہ پہچان کر بھی نہیں پہچانتے اور ملنے جلنے والوں کو کثرت کار سے فرصت نہیں ملتی۔ جو بات کے پکے اور قول کے سچے ہوتے ہیں۔ اُن کا حافظہ کمزور ہوجاتا ہے۔ اور انہیں اپنی باتیں یاد نہیں رہتیں ؞

رادھا رانی کی ماں کے ساتھ بھی اِسی قسم کا سلوک ہوا۔ خود غرض دُنیا میں اُسے کسی نے امداد نہ دی۔ جو محلوں میں رہتی تھی۔ وہ غریبانہ طور پر ایک جھونپڑی میں زندگی بسر کرنے لگی۔ اور محنت مزدوری کرکے اپنا اور اپنی لڑکی رادھا رانی کا پیٹ پالنے لگی۔ جس زمانہ کا ہم ذکر کر رہے ہیں۔ اُس وقت بنگال میں آٹھ نو سال کی عمر میں ہی لڑکیوں کی شادی کردی جاتی تھی۔ اور اس سے زیادہ عمر تک لڑکیوں کو کنوارا رکھنا ذلت خیال کیا جاتا تھا لیکن جسے کھانے کو بھی میسر نہ ہو۔ وہ اپنی لڑکی کی شادی کیسے کرے۔ رادھا رانی کی بھی گیارہ برس کی عمر تک شادی نہ ہوسکی ؞

بُرے دنوں میں تکلیف پر تکلیف آتی ہے۔ ایک دُکھ گذرنے نہیں پاتا۔ کہ دوسرا اور آموجود ہوتا ہے۔ رادھا رانی کی ماں کا افلاس دور نہ ہوا تھا کہ بیماری نے آدبایا۔ اور محنت مزدوری کا سلسلہ بھی منقطع ہوگیا۔ جو غربا کو کھلا کر کھاتی تھی۔ بڑے بڑے امیروں کی عورتیں جس کے مُنہ کی طرف

دیکھتی تھیں۔ جو بھوکوں کی آواز سُنکر تڑپ اٹھتی تھی۔ اور اُنہیں کھلانے کو بیتاب ہو جاتی تھی۔ وہی عورت خود کھانے کو ترسنے لگی۔ اِسے کیا کہیں تقدیر کے رنگ یا پچھلے جنم کا پھل۔ کیونکہ اس جنم میں تو اُسنے کوئی پاپ کیا نہ تھا لیکن دُنیا کا قاعدہ ہی کچھ اِس قسم کا ہے۔ کہ جو بھلے ہوتے ہیں۔ جو دوسروں کو ستانا بُرا سمجھتے ہیں۔ جو کمزوروں کی امداد کرنے کو تیار رہتے ہیں دُنیا والے اُنہی سے بُرا سلوک کرتے ہیں۔ اگر یہ نہ ہوتا۔ تو رادھا رانی کی ماں رانی سے خادمہ کیوں بن جاتی۔ اور عرش سے فرش پر کیوں گر پڑتی؟ پرماتما کی لیلا نیاری ہے۔ اُسکے کام عجیب ہیں۔ وجہ معلوم ہو یا نہ۔ لیکن یہ طے شدہ امر ہے۔ کہ وہ جو کچھ کرتا ہے۔ درست کرتا ہے۔ اور اُسکے ہر کام میں انسان کی بھلائی پوشیدہ رہتی ہے۔ ممکن ہے کہ رادھا رانی کی ماں کے دُکھ کے درخت میں بھی سُکھ کے پھل پھول لگیں +

رادھا رانی کی ماں تو بیماری کے باعث کچھ کھا نہ سکتی تھی لیکن رادھا رانی افلاس کی وجہ سے فاقے کرنے لگی۔ مگر تھی نیک بخت زبان سے اُف تک نہ کی۔ اُس کو اپنی بھوک کی پرواہ نہ تھی۔ فکر یہ تھی۔ کہ ماں کا علاج کیسے ہو۔ حکیم فیس مانگتا تھا۔ دوکاندار قیمت مانگتا تھا۔ اور رادھا رانی کے پاس پھوٹی کوڑی بھی نہ تھی۔ اُسنے بہت سوچا۔ مگر کوئی بات سمجھ میں نہ آئی۔ چاروں طرف تاریکی دکھائی دی۔ بڑے گھر کی بیٹی تھی۔ کسی کے آگے ہاتھ بھی نہ پسار سکی۔ مایوس ہو کر رونے لگی +

دُوسرا باب

جنگلی پھُولوں کا ہار

روتے روتے اُسے خیال آیا۔ کہ آج رتھ یاترا کا میلہ ہے۔ تاریکی میں بجلی چمک گئی۔ آنسو رُک گئے ؛

وہ جلدی سے اُٹھ کر باہر گئی۔ اور جنگلی پھولوں کا ایک ہار بنا لائی۔ دل ہی دل میں اُسنے سوچا۔ کہ میلے میں ہزاروں آدمی آئیں گے۔ وہ اونچی قسم کی اشیا خریدیں گے۔ کیا میرا ہار دو چار پیسہ کو نہ بِک جائے گا۔ جو قیمت ملیگی۔ اُس سے ماں کے لئے دوائی بنا دوں گی۔ جس نے مجھے پال پوس کر اِتنا بڑا کیا ہے۔ کیا اُسکی خدمت کرنا میرا دھرم نہیں ؟

یہ خیال دل میں اور جنگلی پھولوں کا ہار ہاتھ میں لیکر رادھا رانی رتھ یاترا کے میلے میں گئی۔ لیکن میلہ لگنے بھی نہ پایا تھا۔ کہ بارش شروع ہوگئی اور لوگ منتشر ہو گئے۔ رادھا رانی بھیگنے کی پرواہ نہ کرکے اِس اُمید میں کھڑی رہی۔ کہ بارش بند ہو جانے پر میلہ پھر لگے گا۔ اور میرا ہار بک جائے۔ لیکن پانی برسنا بند نہ ہوا۔ جو انسان سوچتا یا چاہتا ہے۔ اگر وہی ہو جائے تو کائنات میں سے اُداسی کافور ہو جائے۔ اور دُنیا ایک طویل قہقہے کی شکل میں بدل جائے ؛

بارش ہوتی رہی۔ رادھا رانی کھڑی رہی۔ اِسی طرح دن گذر گیا۔ شام ہوگئی۔ لیکن رادھا رانی کو اُمید پھر بھی دھوکے دیتی رہی۔ وہ بیچاری

ہار لئے مسلسل بارش میں بھیگتی رہی۔ لیکن نہ بارش رُکی۔ نہ میلا لگا۔ اور نہ اُس کو اپنے ہار کا کوئی خریدار ملا۔ یہاں تک کہ رات ہوگئی۔ اور تاریکی نے اپنا سیاہ دامن پھیلا دیا۔ اب رادھا رانی کا حوصلہ ٹوٹ گیا۔ اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی ۔

لمبا سفر گیارہ برس کی اکیلی لڑکی اور تاریک رات جسے اُسکے دل کی تاریکی نے اور بھی تاریک بنا دیا تھا۔ رادھا رانی کا کلیجہ کانپنے لگا۔ قدم قدم پر پھسلن تھی۔ لیکن رادھا رانی گھر کو روانہ ہوئی۔ کیونکہ اس کے سوائے چارہ نہ تھا۔ ادھر آسمان سے بارش ہو رہی تھی۔ اُدھر معصوم لڑکی اپنی ماں کی بیماری اور اپنی بے بسی پر رو رہی تھی۔ بارش کے نیچے دوسری بارش شروع تھی۔ وہ روتی روتی راستہ طے کر رہی تھی۔ قدم قدم پر گرتی۔ لیکن پھر اُٹھ کر چلنے لگتی۔ اُس کے کپڑے بھیگے ہوئے تھے۔ جوڑا کھلا ہُوا تھا۔ جسم کانپ رہا تھا۔ لیکن وہ چل رہی تھی۔ اور ہار اُسنے چھاتی سے لگا رکھا تھا۔ خیال تھا۔ ممکن ہے۔ کوئی خریدار مل جائے۔ ہائے امید! تو کیسی دھوکے باز ہے!

یکلخت کسی کا پاؤں رادھا رانی کے پاؤں پر پڑا جس سے رادھا رانی کی چیخ نکل گئی ۔

چیخ کی آواز سُنکر اجنبی نے کہا "کیوں! کیا ہُوا؟"

"ہُوا کیا ہے؟ تم نے میرا پاؤں مسل ڈالا ہے"

"اوہو! مجھ سے غلطی ہوگئی۔ لیکن تم ہو کون؟"

رادھا رانی تاریکی میں دیکھ تو نہ سکی۔ کہ اجنبی کون اور کیسا ہے۔ لیکن آواز سُنکر اُسنے یہی سمجھا۔ کہ کوئی نیک طبیعت اور رحمدل آدمی ہے۔

رونا موقوف کرکے بولی "میں ایک غریب لڑکی ہوں۔ میری صرف ایک ماں ہے"۔
اجنبی نے پوچھا "تم کہاں سے آ رہی ہو؟"
"رتھ یاترا کے میلہ سے۔ مگر رستہ نظر نہیں آتا"۔
اجنبی نے پھر دریافت کیا "تمہارا گھر کہاں ہے؟"
"شری رامپور میں"۔
"اچھا میرے ساتھ ساتھ آ جاؤ۔ میں بھی وہیں جا رہا ہوں۔ پہلے تمہیں تمہارے گھر پہنچا دونگا۔ تمہارا گھر کس محلے میں ہے؟ ......
...... دیکھو گر پڑو گی۔ میرا ہاتھ پکڑ لو"۔
رادھا رانی کو قدرے حوصلہ ہوا۔ اُسنے اجنبی کا ہاتھ پکڑ لیا اور دونو آہستہ آہستہ پھلسن سے بچتے ہوئے چلنے لگے۔ باتوں سے اجنبی سمجھ گیا۔ کہ لڑکی ابھی کم عمر ہی ہے۔ تاہم اُسنے باتوں کا سلسلہ شروع کرنے کیلئے پوچھا "تمہاری عمر کتنی ہے؟
"دس گیارہ سال"۔
"تو اسقدر چھوٹی ہونے پر اکیلی رتھ یاترا میں کیوں گئی تھی"۔
"میری ماں گھر میں بیمار ہے اور دوائی کو پیسہ نہیں"۔
"تو پھر"
"اسی لئے یہ جنگلی پھولوں کا ہار لیکر میلہ میں گئی تھی۔ کہ ممکن ہے کوئی خرید لے"۔
اجنبی کو رادھا رانی کے افلاس پر بہت رحم آیا۔ ساتھ ہی اُسکی بھولی بھالی باتیں سنکر دل میں محبت پیدا ہوئی۔ تھوڑی دیر ٹھہر کر بولا "تو کیا وہ ہار بک گیا؟"
"نہیں"۔

اِس لفظ میں ایسی حسرت بھری ہوئی تھی۔ کہ اجنبی کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ مگر انہیں پونچھ کر بولا "اچھا ہوا۔ مجھے ایک ہار کی اشد ضرورت تھی میلہ ختم ہو جانے کے باعث مل نہ سکا۔ مجھے دیدو۔ تو میں خرید لوں"

رادھا رانی کو اوّل تو اس سے خوشی ہوئی۔ مگر پھر خیال آیا۔ کہ اِس سے قیمت کیسے مانگوں گی۔ یہ میرے ساتھ اتنی نیکی کر رہا ہے میں خودغرضی کیسے دکھاؤں گی۔ یہ تو نہ ہوگا۔ لیکن ماں کی دوائی کیسے ہوگی۔ ہائے افسوس!"

آخر رادھا رانی نے یہ فیصلہ کیا۔ کہ قیمت مانگوں گی نہیں۔ لیکن اگر یہ خود بخود دیدے گا۔ تو انکار بھی نہ کروں گی؛

یہ سوچکر اُسنے ہار اجنبی کو دے دیا؛

ہار لیکر اجنبی نے کہا "لے چار پیسے"

رادھا رانی اُن پیسوں (؟) کو دیکھ کر بولی "یہ کیا یہ تو بڑے بڑے ہیں"

"ہاں ادھنیاں ہیں۔ اِسی وجہ سے دو دی ہیں"

"لیکن یہ تو چمک رہے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے روپے ہیں"

"نہیں۔ نئے ٹکسال سے آئے ہیں۔ اس لئے ان میں چمک ہے"

"اچھا! گھر جا کر دیکھوں گی۔ اگر پیسے نہ ہوئے۔ تو واپس لوٹا دوں گی تم ذرا سی دیر کے لئے ٹھہر جاؤ گے نہ؟"

اتنے میں دونو رادھا رانی کی جھونپڑی کے قریب پہنچ گئے۔ رادھا رانی بولی "میرا مکان یہی ہے۔ مگر ذرا ٹھہر جاؤ۔ تاکہ میں دیا جلا کر دیکھ لوں۔ کہ یہ روپے تو نہیں"

اجنبی نے جواب دیا "پہلے کپڑے بدل لو۔ بعد میں چراغ جلانا۔ ورنہ بیمار ہو جاؤ گی"

"نہیں مجھے گیلا کپڑا پہننے کی عادت ہے۔ کیونکہ میرے پاس دوسرے کپڑے نہیں ہیں۔ اسلئے میں دھوتی کا آنچل نچوڑ کر پہنے لیتی ہوں۔ مگر اس میں دیر نہ لگے گی۔ میں ابھی دیا جلاتی ہوں"

"اچھا"

رادھا رانی گھر میں گھسی۔ مگر چراغ کا پتہ نہ تھا چراغ ملا۔ تو دیا سلائی کی تلاش ہوئی۔ بہت دیر کے بعد دیا سلائی کی ڈبیہ دستیاب ہوئی۔ تب جاکر دیا جلا۔ رادھا رانی نے دیکھا۔ کہ اجنبی نے جو اُسے دیا ہے وہ پیسے نہیں روپے ہیں۔ جلدی سے باہر نکلی۔ تو اجنبی جا چکا تھا۔ اس سے رادھا رانی کو بہت قلق ہوا۔

ماں نے پوچھا۔ "بیٹی حیران کیوں ہے؟"

رادھا رانی نے ساری بات سنادی۔ اور آخیر میں کہا۔ "ماں اب کیا کروں"

"کرنا کیا ہے بیٹیا۔ اُسنے جان بوجھ کر تمہیں روپے دیئے ہیں۔ تمہاری دردناک کہانی سنکر اُسے تم پر رحم آگیا ہے۔ اسلئے امداد کے طور پر تم سے نیکی کر گیا ہے۔ آج تک دان قبول نہ کیا تھا۔ مگر اب سر غرور بلند نہیں رہ سکتا۔ ان کے بغیر خرچ کیسے چلے گا"

اتنا کہکر رادھا رانی کی ماں رونے لگ گئی۔ اور اپنے شاندار ماضی کو یاد کر کے ہچکیاں لینے لگی۔ یکایک کسی نے دروازے پر دستک دی۔ رادھا رانی نے سوچا۔ وہ لوٹ آئے ہوں گے۔ لیکن دروازہ کھولکر دیکھا۔ تو وہ فرشتہ سیرت اجنبی نہیں۔ بلکہ پدم لوچن شاہ بزاز تھا جسکی دوکان اُن کی جھونپڑی کے قریب ہی تھی۔ اُسنے دھوتیوں کا ایک نفیس جوڑا رادھا رانی کے حوالے کر کے کہا "یہ رادھا رانی کی دھوتیاں ہیں"

رادھا رانی غریب لڑکی تھی۔ اِس بات سے اُسے تعجب ہُوا۔ کہ مجھے دھوتیاں کسنے بھجوائی ہیں۔ اس حیرت کو بزاز نے بھی تاڑ لیا۔ مگر وہ ملائمت سے بولا۔ "ابھی ایک بابو میری دوکان پر آئے تھے۔ اُنہوں نے نقد دام دیئے۔ اور یہ دھوتی کا جوڑا پسند کرکے کہا۔ کہ رادھا رانی کو دے آؤ۔"

رادھا رانی نے اپنی ماں کی طرف دیکھ کر کہا۔ "معلوم ہوتا ہے۔ یہ کپڑا بھی اُنہوں نے ہی خرید کر بھجوا دیا ہے۔"

پدم لوچن بزاز بہت دنوں سے رادھا رانی اور اُسکی ماں کو جانتا تھا۔ جب بھلے دن تھے۔ تب وہ اُن کے ہاتھ چار روپے کا کپڑا آٹھ روپے ساڑھے بارہ آنے میں بیچ جایا کرتا تھا۔ اور ساتھ ہی قسم کھا جایا کرتا تھا۔ کہ صرف دو آنہ روپیہ میں منافع لیا ہے۔ مگر اب وہ بھی بھلے دنوں کیطرح اُنہیں حافظہ سے اتار چکا تھا۔ آج روپوں کی شکل دیکھکر وہ پھر رادھا رانی کے دروازے پر آیا۔ روپے تو دھن ہے۔ میں تجھے نمسکار کرتا ہوں۔

"اُس بابو کو پہچانتے ہو؟"

پدم لوچن نے جواب دیا۔ "کیا تم کو معلوم نہیں۔ کہ وہ کون ہے۔"

"نہیں۔"

"میرا تو خیال تھا۔ کہ وہ تمہارا کوئی رشتہ دار ہے۔"

رشتہ دار ہو یا نہ ہو۔ اِس سے پدم لوچن کو کیا۔ اُسنے سوچا۔ چار روپے کا کپڑا نو روپے پونے چودہ آنے کو بیچ چکا ہوں۔ مجھے اِس سے کیا غرض کہ وہ کون تھا۔ اور کون نہیں تھا۔ یہ سوچکر اُس نے کپڑا رادھا رانی کو دیا اور آپ دوکان کو لوٹ گیا۔

رادھا رانی ایک روپیہ لے کر بازار گئی۔ اور ماں کے لئے دوائی

لائی۔ چراغ میں تیل نہ تھا۔ اسلئے تیل بھی لیتی آئی۔ اور دیا جلا کر چوکا صاف کرنے لگی۔ وہاں اُسے ایک لپٹا ہؤا کاغذ ملا۔ اُسے اٹھا کر رادھا رانی نے اپنی ماں سے پوچھا "ماں یہ کاغذ کیسا ہے؟"

رادھا رانی کی ماں نے کاغذ کی تہ کھولکر دیکھا اور بولی "یہ تو نوٹ ہے"

"تب یہ بھی وہی پھینک گئے ہیں"

"ہاں اس پر تمہارا نام بھی لکھا ہے۔ تاکہ کوئی چوری کا الزام نہ دے"

رادھا رانی اجنبی کے سلوک سے اول خوش ہوئی۔ بعد میں حیران ہوئی اور آخر میں یہ نوٹ دیکھکر اُسکی حیرت عقیدت میں بدل گئی۔ اُسنے دل ہی دل میں اجنبی کو ہزاروں بار نمسکار کیا۔ اور اُسے سینکڑوں دعائیں دیں پھر ماں سے بولی "یہ پے در پے بھلائیاں کرنے والا ہے کون؟"

"اُس کا نام بھی تو نوٹ پر لکھا ہے بیٹی! دیکھوں کیا ہے۔ ہاں اُس نیک دل محسن کا نام رکمنی کمار رائے ہے"

دوسرے دن انہوں نے رکمنی کمار رائے کی بہت تلاش کی۔ مگر شہری رامپور اور گرد و نواح میں کوئی پتہ نہ ملا۔ رادھا رانی اور اُس کی ماں دونو غریب تھیں لیکن حریص نہ تھیں۔ اسلئے انہوں نے نوٹ کو بھنوایا نہیں بھنوانے کی ضرورت بھی نہ تھی۔ کیونکہ خرچ کرنے کو چار روپے موجود تھے۔

رادھا رانی کے جنگلی پھولوں کے ہار کی اتنی قیمت پڑی جسکا اُسے خواب میں بھی خیال نہ تھا۔

تیسرا باب

رنج و راحت

رادھا رانی کی ماں نے دوائی تو کھائی۔ لیکن مرض سے چھٹکارا اُسکی قسمت میں نہ لکھا تھا۔ اسلئے دن بدن حالت بگڑتی گئی۔ پہلے وہ بہت امیر تھی۔ یکلخت قسمت نے چکر کھایا۔ اور انتہائی افلاس کا دور شروع ہو گیا یہ وہ آندھی تھی جس کا مقابلہ نہ اس کا دل کر سکا۔ نہ جسم۔ دونو بیمار ہو گئے۔ جسم کی بیماری کی وجہ یہ تھی کہ اُس کو کام زیادہ کرنا پڑتا تھا۔ خوراک کم ملتی تھی۔ ذہنی عذاب یہ تھا۔ کہ ہزاروں قسم کے خیالات اُسے شب و روز ستاتے رہتے تھے۔ جسمانی مرض تو تکلیف ہی دیتا ہے۔ لیکن ذہنی بیماری جان لئے بغیر پیچھا نہیں چھوڑتی۔ اس تکلیف کو وہی جان سکتے ہیں۔ جنہیں یہ بدبختی کے دن کبھی گذارنے پڑے ہیں۔ رادھا رانی کی ماں کو دونو عذابوں کا مقابلہ پڑا۔ وہ امیر گھرانے کی عورت عیش میں پلی ہوئی۔ آرام میں بڑھی ہوئی۔ بیمار ہو گئی اور یہ بیماری ایسی بڑھی۔ کہ آخری دن نزدیک آ گئے۔

فلسفیوں کی باتیں چھوڑ کر میری سیدھی بات سن لو جس طرح آرام ہمیشہ نہیں رہتا۔ اسی طرح غم کی تاریک رات بھی ہمیشہ نہیں رہ سکتی۔ وقت کا سیلاب اُسکے بھی خاتمہ کر دیتا ہے۔ اور جہاں المناک آہیں اٹھتی ہیں وہیں سے پرمسرت قہقہے بلند کرتا ہے۔ اس سے سکھی اور دکھی دونو کو سبق لینا چاہئے۔ جو سکھی ہیں۔ وہ سکھ کو چلتا پھرتا سایہ سمجھیں۔ اور

دکھیوں کو تکلیف نہ دیں۔ کہ اُن کی قسمتوں کا بدل جانا کوئی مشکل نہیں اور جو دکھی ہیں۔ وہ اِس خیال سے اپنے ٹوٹے ہوئے دل کو ڈھارس دیں۔ کہ جو انسان کے خیال سے بھی بعید ہے۔ وہ دست قدرت کی پہنچ سے باہر نہیں ❊

جس قسمت نے رادھا رانی کی ماں کو عرش سے فرش پر گرا یا تھا۔ اُسے بھی کچھ دیر کے بعد اُس کا خیال آیا۔ تو اُسنے اُسے پھر پہلے درجے پر چڑھا دیا۔ پریوی کونسل میں رادھا رانی کی ماں مقدمہ جیت گئی۔ جو پیسے پیسے کو محتاج تھی۔ وہ لاکھوں کی مالک بنی ❊

کامیا کھیا ناتھ جو اُسکی طرف سے ہائی کورٹ میں وکیل تھے۔ وہ یہ خبر سنانے کے لئے خود آئے۔ اِسے سُنکر رادھا رانی کی ماں کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"یہ آنسو خوشی کے آنسو تھے"

کچھ دیر کے بعد وہ بولی "جس چراغ کی بتّی جل چکی ہے۔ اُس میں تیل ڈالنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ ممکن ہے۔ اگر پہلے مقدمہ کا خاطر خواہ فیصلہ ہو جاتا۔ تو میں بچ جاتی۔ لیکن اب اِسکی قطعاً اُمید نہیں۔ وجہ یہ۔ جو کچھ ہونا تھا ہو چکا ہے۔ اب تو ظاہرداری باقی رہ گئی ہے۔ ورنہ میری موت میں شبہ نہیں ہاں یہ خوشی ضرور ہے۔ کہ رادھا رانی کو تکلیف نہ ہو گی۔ لیکن اِس کا بھی یقین نہیں۔ کیونکہ وہ بالکل معصوم ہے۔ اور دُنیا سفید پوش بدمعاشوں سے بھری ہوئی ہے۔ اسلئے آپ کا ہی آسرا ہے۔ میری خواہش پوری کریں۔ تو آپکا ایش ہوگا"

کامیا کھیا ناتھ بہت شریف آدمی تھے۔ رادھا رانی کے باپ اور

اُن سے بہت دوستانہ تعلقات تھے۔ جب رادھا رانی اور اُس کی ماں کی قسمت نے پلٹا کھایا۔ تو اُنہوں نے رادھا رانی کی ماں سے کہا تھا۔ کہ جب تک مقدمے کا نتیجہ نہ نکلے۔ اور آپ کو جائداد کا قبضہ نہ مل جائے۔ تب تک آپ میرے مکان میں اٹھ چلیں۔ میں آپ کو اپنی والدہ کے بجائے سمجھوں گا۔ لیکن رادھا رانی کی ماں نے اِسے قبول نہ کیا۔ وجہ یہ کہ وہ اِسے شوہر کی ہتک سمجھتی تھی۔ اِسپر کامیا کھیا بابو نے مالی امداد دینا چاہا۔ رادھا رانی کی ماں غریب تھی۔ پیسے پیسے کو لاچار تھی۔ خواہش ہوئی۔ کہ امداد لے لوں۔ لیکن دل نے کہا۔ نہیں! سر جھک جائے گا۔ جن آنکھوں میں آج تک غرور رہا ہے۔ وہاں سے غیرت کے تلخ آنسو پھوٹیں گے۔ سچ کی بجائے جھوٹ بولی "آپ کو پرماتما اور زیادہ دے۔ میرے پاس خرچ کے لئے روپیہ ہے۔ نہ ہوگا تو خود مانگ کر لے لوں گی"

اِس کے بعد کامیا کھیا بابو کو یہ معلوم نہ ہو سکا۔ کہ اُن کی حالت اسقدر خراب ہو چکی ہے۔ کہ دوائی کے لئے چار پیسے بھی پاس نہیں۔ آج یکایک رادھا رانی کی ماں کی حالت دیکھ کر اور اُسکی عاجزانہ گفتگو سنکر اُنہیں بہت صدمہ ہوا۔ ساتھ ہی افسوس بھی ہوا۔ کہ دوست کی بیوی سے اسقدر بے پرواہ رہے۔ آبدیدہ ہو کر بولے "آپ حکم دیجئے۔ میں حرف بحرف تعمیل کروں گا"

رادھا رانی کی ماں نے جواب دیا "میرے مرنے میں اب دیر نہیں خیال یہ ہے۔ کہ رادھا رانی کا کیا بنے گا۔ اگر مقدمے کا فیصلہ ہمارے خلاف ہوتا۔ تو اُسے پیسے پیسے کا محتاج ہونا پڑتا۔ اُس حالت میں بھی مجھے

اُسکی فکر ہوتی لیکن اب وہ لاکھوں کی مالک ہے۔ اِس سے میری فکر کم نہیں ہوئی بڑھ گئی ہے۔ وجہ یہ کہ دولت کا لالچ دُنیا میں بہت گناہ کرواتا ہے نیز دولت جس جسکے پاس ہو۔ اُسے اندھا کر دیتی ہے۔ آپ سے یہ عرض ہے۔ کہ اُس سنہری مگر خاردار دلدلی راہ میں رادھا رانی کے سر پر ہاتھ رکھے رہیں۔ تاکہ اُسے کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔ مرے ہوئے والدین اُسے یاد نہ آنے پائیں۔ اگر آپ اُس سے اپنی بیٹی کی طرح سلوک کرنے کا اقرار کریں۔ تو میں اطمینان کی موت مر سکونگی۔

کامیا کھیا بابو بولے۔ کیا کہوں گذشتہ لاپرواہی پر سخت نادم ہوں۔ لیکن اب قسم کھا کر کہتا ہوں۔ کہ رادھا رانی کو اپنی لڑکی سے بھی زیادہ چاہوں گا۔ جب تک زندگی ہے۔ اِس بات میں فرق نہ ہوگا۔

جو مرنے والی تھی۔ اُسنے کامیا کھیا بابو کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر اعتبار آگیا۔ اُسکے خشک ہونٹوں پر مسکراہٹ کی بجلی چمکی۔ اُس بجلی کو دیکھ کر کامیا کھیا بابو نے سمجھ لیا۔ کہ اب زیادہ دیر نہیں۔ موت کی گھڑیاں نزدیک سرک رہی ہیں۔

اسوقت اُنہوں نے اصرار کیا۔ کہ آپ میرے مکان پر چلے چلیں۔ رادھا رانی کی ماں کو جو غرور تھا۔ وہ افلاس کا غرور تھا۔ جب تک افلاس تھا۔ تب تک اُسے نبھایا۔ لیکن اب افلاس کی تاریکی جا چکی تھی۔ دولت کا چاندنا پاکھ آیا تھا۔ اب وہ غرور ٹوٹ چکا تھا۔ کاما کھیا بابو کے گھر جانے کو راضی ہوگئی۔ وہ خوشی سے پھولے نہ سمائے۔

لیکن جسکی آچکی ہو۔ اُسے مکان بدلنے سے آرام نہیں ہوتا۔ رادھا رانی کی ماں چل بسی۔ وہ دُنیا میں یتیم رہ گئی۔ لیکن جسکے پاس

دولت ہے۔ اُسے دُنیا یتیم نہیں مائی باپ کہتی ہے۔ رادھا رانی کا دل روتا تھا۔ مگر دُنیا کی آنکھیں باہر کو دیکھتی ہیں +

کچھ وقت کے بعد کامیا کھیا بابو کی امداد سے رادھا رانی اپنی جائداد پر قابض ہوگئی۔ لیکن کم سن ہونے کے باعث اُسے کامیا کھیا بابو نے اپنے ہاں ہی رکھ لیا۔ اور خود ہی اُس کی جائداد کے منتظم بن گئے۔ ورنہ کورٹ آف وارڈس ہو جاتا +

کامیا بابو نئی روشنی کے دلدادہ تھے۔ اُنھوں نے سوچا بچپن کی شادی تباہ کن ہے۔ رادھا رانی کو کوئی ذات سے تھوڑا نکال دیگا۔ اسلئے جب جوان ہوگی۔ بیاہ کے قابل عمر کو پہنچے گی۔ اُس وقت بیاہ کردونگا۔ ابھی تعلیم کی طرف رجوع کرے۔ یہ سوچ کر اُنھوں نے رادھا رانی کے پڑھنے لکھنے کا انتظام کر دیا۔ لکشمی کی روشنی میں رادھا رانی سرسوتی کی پوجا میں محو ہوگئی +

چوتھا باب

دل کی بات

پانچ سال گذر گئے۔ رادھا رانی جوان ہوگئی۔ شعلہ حُسن کا ایک نادر نمونہ۔ لیکن پردے میں رہتی تھی۔ اِس وجہ سے شورش نہ مچی۔ ورنہ کئی انسان پروانے بن کر شہید ہو جاتے۔ یہ وہ وقت تھا جب کاما کھیا

بابو کو اُسکے بیاہ کی فکر ہوئی۔ لیکن اُن کی خواہش تھی۔ کہ بیاہ رادھارانی کی مرضی کے بموجب ہو۔ ورنہ ممکن ہے بعد میں کوئی خرابی کھڑی ہوجائے۔ اس لئے اُنھوں نے اپنی لڑکی بسنت کماری کو کہا۔ کہ رادھارانی کے دل کا پتہ لو

بسنت کماری اور رادھارانی میں بہت محبت تھی۔ دن رات اکٹھی رہتی تھیں۔ دل کی بات ایک دوسرے پر ظاہر کردیتی تھیں۔ بسنت کماری نے باپ کی بات سُنی۔ تو خاموش سی ہو گئی۔ اور تھوڑی دیر کے بعد زمین کی طرف دیکھتے ہوئے بولی "کوئی رکمنی کمار ہیں؟"

کاماکھیا بابو نے چونک کر جواب دیا "نہیں۔ مگر کیوں پوچھتی ہو؟" رادھارانی نے فیصلہ کر رکھا ہے۔ کہ اُسکی شادی ہوگی۔ تو اُسی کے ساتھ ہوگی۔ ورنہ نہیں ہوگی"

کاماکھیا بابو نا ٹے میں آ گئے "یہ کیا؟ رادھارانی اُسے کب سے جانتی ہے؟"

بسنت کماری نے مسکرا کر میلے کا واقعہ سنا دیا۔ اور آخر میں کہا۔ کہ "اُس دن سے رادھارانی اس بات پر اڑی ہوئی ہے۔ کہ اُس نیک دل اجنبی کے سوائے کسی اور کے ساتھ ہرگز بیاہ نہ کرونگی"

کاماکھیا بابو نے اول رادھارانی کے خیال کی تعریف کی۔ مگر بعد میں کہا۔ کہ اُسے سمجھا کر کہنا۔ کہ تم غلطی پر ہو۔ اگر موقعہ ملے۔ تو اُس شخص کے ساتھ کوئی نیکی کرنی چاہیئے۔ مگر اُس کے ساتھ شادی کرنے کے لئے اپنے اوپر پابندی عائد کر لینا حماقت ہے۔ اور کون جانے۔ کہ وہ زندہ بھی ہے یا نہیں اور اگر ہے۔ تو کہاں ہے۔ اور کس ذات کا ہے فرض کیا کہ وہ مل جائے اور اُسکی ذات بھی بیاہ میں روکاوٹ نہ ہو۔ اس صورت

میں بھی ممکن ہوسکتا ہے۔ کہ وہ شادی شدہ ہو۔ اور اُسکے ہاں بال بچے ہوں۔ پھر شادی کیسے ہوسکے گی۔ اور تو اور کون جانے وہ خود رادھا رانی کے ساتھ شادی کرنے کو آمادہ بھی ہوا یا نہیں "

بسنت کماری نے سادھی کو سر پرست کر کے جواب دیا۔ لیکن مشکل یہ ہے۔ کہ رادھا رانی اپنی ہٹ پر قائم ہے۔ اُس نے اُس رات سے فرض کر لیا ہے۔ کہ میں اُسکی ہوچکی ہوں جس طرح لوگ دیوتاؤں پر پھول پتاشے چڑھاتے ہیں۔ اُسی طرح رادھا رانی اُس رکمنی کمار کی تصویر کو اپنے دل کے آسن پر رکھکر پوج رہی ہے۔ اتنے برسوں کا خواب کیسے بھولے گا۔ اتنے عرصہ کی اُمید کیسے ٹوٹے گی۔ یہ بھگوان ہی جانے جب سے میں اُس سے واقف ہوئی ہوں۔ ایک دن بھی ایسا نہیں گیا۔ جب اُسنے رکمنی کمار کا ذکر نہ کیا ہو"

"یہ تو بہت بُری بات ہے۔ اسکی دوا ہونی چاہئے۔ لیکن اس علاج کا پہلا درجہ یہ ہے۔ کہ رکمنی کمار کا پتہ لگایا جائے"

مگر پتہ لگنا آسان نہ تھا۔ گرد و نواح میں آدمی بھیجے گئے۔ یار دوستوں کو چھٹیاں لکھی گئیں۔ اخباروں میں اشتہار دیئے گئے۔ لیکن رکمنی کمار کا پتہ نہ لگا۔ دن گذرے۔ ہفتے گذرے۔ مہینے گذرے۔ مہینوں سے سال گذر گئے۔ دُنیا تبدیل ہوگئی۔ لیکن رادھا رانی کا دل تبدیل نہ ہوا عورت! تو دھنیہ ہے۔ تیرے دل کو دھنیہ ہے۔

رادھا رانی بھی اس مشکل سے نکلنے نہ پائی تھی۔ کہ اس پر ایک اور مصیبت ٹوٹ پڑی۔ کامیا کھیا بابو چل بسے۔ کامیا کھیا بابو کی سچی محبت کو یاد کر کے اُس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا فوارہ اچھل پڑا۔ جب کرپا کرم اور شرادھ وغیرہ

ہوچکا۔ تو رادھا رانی نے اپنی جائداد کا انتظام اپنے ہاتھ میں لیا۔ اور کاماکھیا بابو کے مکان سے اپنے مکان میں اٹھ گئی۔ حساب کے رجسٹر دیکھے۔ تو معلوم ہوا۔ کہ کاماکھیا بابو کے حسن انتظام سے بہت منافع رہا ہے۔ اُسنے دل ہی دل میں اُن کو نمسکار کی دو لاکھ روپیہ گورنمنٹ کو بھیج دیا۔ تاکہ ایک یتیم خانہ قائم کر دیا جائے۔ جس کا نام "رکمنی کمار یتیم خانہ" ہو۔

جب افلاس کے دن آئے تھے۔ تو رادھا رانی کی ماں نے اپنا گاؤں مرزاپور چھوڑ کر راج پور میں جھونپڑی بنالی تھی۔ کیونکہ جہاں امارت کے دن گذرے ہوں۔ وہاں افلاس میں نگاہیں اوپر نہیں اُٹھتیں۔ رادھا رانی کو روپیہ ملا۔ تو اُس نے بھی راجپور میں ہی محل بنوایا۔ اُس محل کے سامنے یتیم خانے کی عالیشان عمارت کھڑی ہوئی۔ دُور دُور سے غربا وہاں آنے لگے۔ رادھا رانی صبح اُٹھتی۔ تو سب سے پہلے اُس عمارت کو دیکھتی۔ جو اپنے دل کے مالک کی یادگار میں اُسنے تعمیر کرائی تھی ؏

پانچواں باب

دونو طرف سے

ایک دن اُس یتیم خانے میں ایک شریف آدمی آیا۔ اُسکی عمر ۳۵-۳۶ سال کے لگ بھگ تھی۔ خوبصورت شکل۔ رعب دار چہرہ۔ محبت سے بھری ہوئی آنکھیں۔ رکمنی کمار یتیم خانہ دیکھتے ہی وہ ٹھٹک گئے۔ اور

ایک پہریدار سے بولے "یہ مکان کس کا ہے؟"

پہریدار نے جواب دیا "کسی کا نہیں۔ یتیم خانہ ہے۔ یہاں غریب لوگ رہتے ہیں۔"

"اس کے اندر جا کر دیکھنے کی ممانعت تو نہیں۔"

"یہاں تو یتیم بھی جا سکتے ہیں۔ پھر آپ کو کیوں ممانعت ہوگی۔ آپ تو معزز آدمی معلوم ہوتے ہیں۔"

وہ اندر چلے گئے۔ اور تھوڑی دیر کے بعد واپس آکر بولے "بہت عمدہ انتظام ہے۔ یہاں خوراک کسکی طرف سے تقسیم ہوتی ہے۔ کیا اُن کا نام رکمنی کمار رہی ہے؟"

"نہیں۔ یہ سب خرچ ایک خاتون کی طرف سے ہوتا ہے۔"

"تو پھر اس کا نام رکمنی کمار یتیم خانہ کیوں ہے؟"

پہریدار نے جواب دیا "ہم نہیں جانتے۔"

"اچھا رکمنی کمار کس کا نام ہے؟"

"کسی کا نہیں۔"

"جسکی طرف سے یتیم اور غریب لوگوں کو کھانا ملتا ہے۔ اُس کا مکان کہاں ہے؟"

"وہ سامنے۔"

اجنبی نے پوچھا "تم نے مکان تو بتا دیا۔ لیکن کیا وہ غیر مردوں سے بات چیت کرتی ہیں — ناراض نہ ہونا۔ آج کل بڑے گھرانوں کی مستورات عموماً پردہ نہیں کرتیں۔"

"مگر یہ اُس خیال کی نہیں۔ پردے کی سخت حامی ہیں۔"

یہ سنکر انہوں نے کچھ دیر تک کچھ سوچا - اور پھر آہستہ آہستہ رادھا رانی کے محل کی طرف بڑھے ۔

اُن کی پوشاک میں نہ تو ترک بھڑک تھی - اور نہ یہ ظاہر ہوتا تھا - کہ وہ محتاج ہیں - ہاں انکی انگلی میں جو انگوٹھی تھی - اُس میں اتنا بڑا ہیرا تھا - کہ رادھا رانی کے پہریدار دنگ رہ گئے - اور اُن کی ہمت نہ پڑی - کہ اُن سے سوال کریں - کہ آپ کون ہیں پس انہوں نے نائب صاحب کو بلا کر سامنے کر دیا - پہریداروں کی جان چھوٹی ۔

نائب نے پوچھا "کہئے کیا ارشاد ہے ؟"

اجنبی نے ایک چٹھی نائب کے حوالے کی اور بولے "یہ اندر بھجوا دیجئے مجھے جواب چاہئے"

"میری مالکن کم سن ہیں - اسلئے یہ قاعدہ مقرر ہے - کہ جو چٹھی باہر سے آتی ہے - جب تک اول میں نہ دیکھ لوں - تب تک اندر نہیں جا سکتی "آپ دیکھ لیویں"

نائب نے چٹھی دیکھی - لکھا تھا -

پیاری بہن

جو مہاشہ آپ کے پاس آئے ہیں - وہ [illegible] تم اکیلے [illegible] ان کے ساتھ تنہائی میں ملاقات کرو - اور جو کچھ بات چیت ہو - اُس سے مجھے اطلاع دو "

تمہاری [illegible] کماری

چٹھی پڑھکر نائب بہت گھبرائے - لیکن [illegible] کماری کے [illegible] تھے اور اُس سے اور رادھا رانی سے نہایت گہرے تعلقات تھے - اس لئے

خاموش ہو گئے۔ اور چٹھی اندر بھیج دی +

تھوڑی دیر کے بعد اندر سے نوکر نے آ کر کہا "یہ چٹھی کون لائے ہیں؟"

"کیوں؟"

"چلئے اندر بلایا ہے۔"

اجنبی مہاشہ اندر گئے۔ نوکر نے انہیں ایک کمرہ میں بٹھا دیا۔ ایک نوکرانی رادھا رانی کو اطلاع دینے گئی۔ دوسرے آڑ میں کھڑی ہو کر انہیں دیکھنے لگی۔ اُس نے دیکھا۔ کہ اجنبی کا رنگ گورا جسم لمبا۔ ماتھا چوڑا۔ آنکھیں موٹی موٹی۔ بال خوبصورت اور گردن دلفریب ہے۔ ہاتھوں کی انگلیاں نہایت دلکش ہیں اور اُن سے ایک میں جو انگوٹھی ہے۔ اُس کا ہیرا تو بہت ہی دلکش ہے +

رادھا رانی کمرے میں آئی۔ تو اجنبی مہاشہ کو ایسا معلوم ہوا۔ گویا ایک اور آفتاب طلوع ہوا ہے۔ شعاع حسن سے اُس کے بال چمک اُٹھے +

واجب تو یہی تھا۔ کہ بات چیت کا سلسلہ وہ ہی شروع کرتے۔ کیونکہ وہ مرد تھے۔ اور رادھا رانی سے عمر میں بڑے تھے لیکن جاتے حسن سے اُنکی زبان بند ہو گئی۔ اور وہ چپ چاپ اُسکی طرف دیکھنے لگے۔ رادھا رانی نے ناراض ہو کر کہا "آپ نے اسطرح تنہائی میں مجھ سے کیوں ملنا چاہا۔ میں عورت ذات۔ آج تک کسی کے سامنے نہیں ہوئی۔ صرف اپنی سکھی کا خیال ہے جو آپ سے ملنا منظور کیا گیا"

اجنبی نے جواب دیا "میں نے ہی آپ سے ملنا چاہا ہے۔ یہ غلط ہے"

رادھا رانی شرمندہ ہو کر بولی "اچھا! یہ نہ سہی لیکن بسنت کماری

سے ایسا اصرار کیوں کیا؟ خط میں اُس نے کچھ نہیں لکھا۔ شاید آپ بتا سکیں"
اجنبی نے ایک پرانا کاغذ رادھا رانی کو دکھایا۔ یہ کاغذ اشتہار تھا
جو کاما کھیا بابو نے رکمنی کمار کی تلاش کے لئے دیا تھا۔ رادھا رانی کھڑی
ہو گئی۔ اور کیلے کے پتے کی طرح کانپنے لگی۔ اُسنے دل ہی دل میں سوچا
کیا یہی رکمنی کمار ہیں۔ کوئی اور تو نہیں۔ بظاہر بولی "کیا رکمنی کمار آپ
ہی کا نام ہے"
اِسوقت اُسکا زنانہ دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔
اجنبی نے جواب دیا۔ "نہیں"
رادھا رانی بیٹھ گئی۔ اُمید و یاس سے اُس میں زیادہ کھڑا رہنے
کی تاب نہ تھی۔ اُسے خیال ہوا تھا۔ کہ ممکن ہے۔ یہی رکمنی کمار ہوں۔
لیکن نہیں سنکر اُسکو نا اُمیدی ہوئی۔ جگنو کی چمک اتھاہ تاریکی میں غائب
ہو گئی۔
اجنبی نے کہا "اگر میں ہی رکمنی کمار ہوتا۔ تو کاما کھیا بابو یہ اشتہار
نہ دیتے۔ وہ مجھے اچھی طرح سے جانتے تھے لیکن اِس اشتہار کو میں نے
سنبھال کر رکھ چھوڑا"
"اگر آپ کا اسکے ساتھ تعلق نہیں۔ تو اسے اپنے پاس رکھنا لاحاصل
ہے؟ آپ نے اِسے سنبھال کر کیوں رکھا؟"
"تماشہ کے لئے۔ دس برس کی بات ہے۔ میں اِدھر اُدھر گھوما
کرتا تھا۔ لیکن اپنا اصلی نام چھپا کر جعلی نام سے سفر کیا کرتا تھا۔ وہ جعلی
نام رکمنی کمار تھا"
"پھر"

"میں ایسے کسی آدمی سے واقف نہیں جس کا نام سچ مچ رکھنی کماتا ہو۔ اسلئے خیال گذرا۔ ممکن ہے۔ کوئی مجھے ہی تلاش کرتا ہو۔ تاہم میں نے کاماکھیا بابو کو ملنا ضروری نہ سمجھا۔"

رادھا رانی کے لئے اب کہانی پُر لطف صورت اختیار کر چلی تھی۔ حیرت سے بولی "پھر"

اجنبی نے بائیں پاؤں کے انگوٹھے سے دری کریدتے ہوئے جواب دیا "جب کاماکھیا بابو کا شرادھ ہوا۔ تب بھی میں شریک نہ ہو سکا۔ اُسی کیلئے معذرت کرنے کے خیال سے میں اُن کے لڑکے کے پاس گیا تھا۔ اور یہ اشتہار بھی ساتھ لیتا گیا۔ موقعہ دیکھ کر میں نے اس کا ذکر چھیڑ دیا اور پوچھا کہ اُنہوں نے یہ اشتہار کاہے کو دیا تھا۔ اُنہوں نے جواب دیا۔ رادھا رانی کے اصرار سے مجھے یکایک یاد آیا۔ کہ ایک رادھا رانی کو میں بھی جانتا ہوں رات کا وقت تھا۔ وہ اپنی بیمار ماں کیلئے پھولوں کا ہار بیچنے نکلی تھی آسمان سے پانی برس رہا تھا۔ اور وہ مایوس ہو کر گھر کو واپس لوٹ رہی تھی۔"

یہ کہتے ہوئے اُنکی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ شدت رنج سے اُنکی زبان بند ہو گئی۔

رادھا رانی کی آنکھ میں بھی پانی آ گیا۔ لیکن وہ اُسے پی گئی اور بولی۔ "ادھر اُدھر کی باتوں سے کیا حاصل؟ آپ اپنی بات کریں" لیکن اُسکا دل اُسے روکتا تھا۔ کہ کیا کہتی ہے۔ انہیں جو کچھ کہتے ہیں۔ کہنے دے۔

اجنبی نے کہا "ادھر اُدھر کی بات نہیں۔ رادھا رانی دیوی تھی ایسی لڑکی میں نے دنیا میں نہیں دیکھی۔ دھوئے ہوئے پھول کی مانند خوبصورت اور تپے ہوئے سونے کی طرح صاف شفاف اُسکی گفتگو میں امرت کا اثر اور

شہد کی حلاوت تھی۔ اُسکے لفظ لفظ میں راگ کا سوتا تھا۔ ایسی آواز میں نے آج تک نہیں سُنی۔ ویسی صورت میں نے آج تک نہیں دیکھی۔"

مگر اجنبی نے دل ہی دل میں کہا "شائد ۔۔۔ معلوم ہوتا ہے آج وہی صورت سامنے بول رہی ہے"

ناظرین کا خیال ہوگا۔ کہ اجنبی بہت خراب (؟) آدمی ہے۔ ہمارا بھی یہی خیال ہے۔

چھٹا باب

شناخت

اجنبی نے سوچا۔ کیا یہ وہی رادھا رانی ہے۔ اُسے دیکھے بیس برس گذر گئے۔ لیکن اسے دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے۔ گویا وہ واقعہ ابھی کل کا ہے کیا وہ رادھا رانی ہی یہ رادھا رانی ہے۔ مگر یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ وہ غریب جھونپڑی میں رہتی تھی۔ یہ حکومت کرتی ہے۔ وہ پیسے پیسے کو ترستی تھی۔ یہ ہزاروں کو خیرات دیتی ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔

ادھر رادھا رانی اجنبی کی باتیں سُنکر سوچ رہی تھی۔ وہ سوچتی تھی تم جو تعریف رادھا رانی کی کر رہے ہو۔ وہ تم پر ہی صادق آتی ہے۔ آج اتنے سالوں کے بعد رادھا رانی کو چھلنے کے لئے اپنا [illegible] چھوڑ کر تم زمین پر کیسے اتر آئے۔ میں جو دن رات تمہاری پوجا کرتی تھی۔ کیا اُس سے بھولے ناتھ مطمئن ہو گئے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے تم انتریامی ہو۔ اگر انتریامی

نہ ہوتے۔ تو یہاں کیونکر آتے۔ اگر آ بھی جاتے۔ تو تجھے کیونکر پہچانتے۔ میں دل میں تمہاری پوجا کرتی ہوں۔ لیکن زبان سے راز باہر تو نہیں نکلا۔

ہم سچی بات کہیں گے۔ دونوں ایک دوسرے کو چاہتے تھے۔ دونوں ایک دوسرے پر مرتے تھے۔ لیکن آج پہلی دفعہ انہوں نے دن کی روشنی میں ایک دوسرے کو دیکھا۔ رکمنی کمار نے سوچا۔ کیا ایسی موہنی صورت اور کہیں بھی ہے۔

زمین کے گرد سمندر ہے۔ زمین کے اوپر بیاباں ہیں۔ اُن میں بے شمار جیوہیں۔ خشکی پر بے شمار شہر ہیں۔ اُن شہروں میں بےشمار آدمی ہیں۔ اُن آدمیوں میں لاکھوں عورتیں ہیں۔ لیکن کیا اُن میں ایسا روشن۔ ایسا میٹھا۔ ایسا دلکش۔ ایسا مسکراتا ہوا مگر ایسا سنجیدہ۔ ایسا کھلا ہوا مگر ایسا شرمیلا۔ ایسا چنچل مگر ایسا ہوشمند چہرہ کہیں اور بھی ہے۔

بہت دنوں سے پہچانا ہوا مگر بالکل نیا۔ بالکل پرایا مگر بالکل اپنا۔ عجیب دلکشش والا چہرہ کیا کہیں اور بھی ہے۔

رادھارانی بولی۔ مگر بڑی مشکل سے۔ کیونکہ آنکھوں میں آنسو تھے اور آنسوؤں کے ساتھ بھی غضب کی ہنسی۔ پتہ نہیں۔ ایسے وقت میں ہنسی کہاں سے آگئی۔ کہیں سے آئی۔ اِس سے کیا بحث۔ ہم فلاسفی کے پروفیسر نہیں۔ ہم قصہ لکھنے بیٹھے ہیں۔ جو کچھ بیتی ہے سو لکھ رہے ہیں۔

رادھارانی ہنسکر بولی۔ "اس وقت تک تو آپ کھلا۔ ان کی کتھا کرتے رہتے تھے۔ اب یہ کہئے مجھے کیوں درشن دیئے۔ اچھا یہ بھی جانے دو یہ کہو کیا اسی طرح باتیں کی جاتی ہیں۔ جس کے گلے سے لپٹ کر رونے کی خواہش ہوتی ہے۔ پران ناتھ۔ پرانیشور۔ سوامی کے نام سے جسے پکارنے

کو دل تڑپتا ہے اور کیوں جی! وہ نگوڑی رادھا رانی تمہاری کون ہوتی ہے" یہ کہکر جس سے دلگی کرنے کو جی چاہتا ہے۔ کیا اُس سے "آپ" شریمان "درشن دیئے ہیں" کے الفاظ میں باتیں کی جاتی ہیں۔ تم محبت کی بازی جیتنے میں ماہر ہو۔ تمہارا دل محبت کا دریا ہے۔ اسی لئے یہ سوال تم سے کیا ہے

کہنے کو یہ بات کہدی کیسی بڑی بات۔ ہندو عورت مرتی مر جاتی ہے مگر ایسی بات نہیں کہتی۔ لیکن رادھا رانی کے دل کو جو برسوں کی لگی ہوئی تھی۔ اُس کو بجھانا بھی تو تھا۔ بعد میں پچھتائی۔ لیکن مُنہ سے بات نکل چکی تھی۔ زمین کی طرف دیکھنے لگی۔

رکھمنی کمار بولے "وہی تو میں کہ رہا تھا۔ اُسی رادھا رانی سے میرا تعارف تھا۔ اُس کی یاد ہر دم رہتی تھی۔ تمہیں دیکھا۔ یاد ہری ہو گئی۔ تاریکی میں اُمید کی بجلی چمک گئی۔ ممکن ہے۔ یہ رادھا رانی میری رادھا رانی ہو"

"تمہاری رادھا رانی" کہکر رادھا رانی ہنسی۔ یہاں کہانی چھوڑ کر ایک بات میری سن لو۔ کیا کسی سے ہنسے بغیر بھی رہا جاتا ہے۔ اگر تم نے برسوں کسی کی یاد میں گذارے ہوں اور پھر اُس سے ملنے پر ہنسی نہ آئے۔ تب رادھا رانی کو بُرا بھلا کہنا ورنہ تمہارا کیا حق ہے؟

رکھمنی کمار نے جواب دیا "ہاں میری رادھا رانی۔ اُسے ایک بار ہی دیکھا تھا۔ لیکن اسپر بھی آٹھ سال سے اُسکی تصویر میرے آئینہ دل میں نقش ہے اسلئے وہ میری رادھا رانی ہی ہے"

"بہت اچھا! آپ کی رادھا رانی ہی سہی"

"اِس خیال سے میں نے کاما کھیا بابو کے لڑکے سے دریافت کیا تھا کہ رادھا رانی کون ہے" اُنہوں نے جواب دیا۔ ہماری ایک رشتہ دار لڑکی ہے

میں نے کہا۔ اگر آپ یہ بتا دیں۔ کہ وہ رکمنی کمار کو کیوں ڈھونڈھتی تھی تو ممکن ہے۔ میں اُس کا پتہ بتا سکوں۔ راسپر کا ماکھیا بابو سے ... تو نہیں جانتا۔ کہ رادھا رانی کیوں رکمنی کمار کو تلاش کرتی تھی۔ لیکن میری بہن شائد جانتی ہو۔ یہ کہکر اندر گیا۔ اور اپنی بہن سے یہ چٹھی لکھا لایا۔ نیز بولا۔ کہ بہن کہتی ہے۔ رادھا رانی نے صاف صاف مجھے بھی نہیں بتلایا۔ کہ وہ رکمنی کمار کو کیوں تلاش کرتی ہے۔ اور کہا ہے۔ کہ وہ یہ چٹھی لیکر خود راج پور چلے جائیں۔ رادھا رانی ہمیشہ خیرات بانٹتی رہتی ہے ؛

میں اُس کے مطابق آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ کچھ قصور تو نہیں کیا؟"

رادھا رانی نے جواب دیا۔ "معلوم ہوتا ہے۔ آپ بہت تذبذب میں ہیں۔ اسی لیئے یہاں آئے ہیں۔ پتہ نہیں۔ آپ جس رادھا رانی کو ڈھونڈھتے ہیں اُسے میں جانتی ہوں یا نہیں۔ لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ جب تک آپ اُس کا سارا حال مجھ سے بیان نہ کر دیں" ؛

رکمنی کمار نے سر جھکا کر وہ واقعہ بیان کیا۔ جو پہلے باب میں بیان کیا جا چکا ہے۔ صرف اتنی بات چھپا گئے۔ کہ اُنھوں نے رادھا رانی کو کچھ روپے اور کپڑے دیئے تھے۔ رادھا رانی کو موقعہ ہاتھ آیا۔ چمک کر بولی "معاف کیجئے گا صاف صاف کہنا پڑتا ہے۔ آپ بہت بے درد ہیں۔ ورنہ کوڑی کوڑی کیلئے محتاج غریب لڑکی کی کچھ امداد ہی کرتے۔ لیکن آپ نے کچھ نہ کیا"

"کیا کرتا۔ اُس دن ناؤ پر چڑھ کر رتھ یاترا کا میلہ دیکھنے گیا تھا۔ اور پتہ نہیں دل میں کیا خیال آیا۔ کہ اپنا نام رکمنی کمار رائے تجویز کر لیا۔ اصلی نام کو چھپا کر یہ میلہ دیکھا۔ لیکن تیسرے پہر زور کی بارش ہوئی۔ اسلئے ناؤ میں بیٹھنے کی جرأت نہ ہوئی۔ پیدل روانہ ہو پڑا۔ رادھا رانی کو دیکھ کر امداد کا

خیال آیا۔ لیکن اُسوقت پاس نقدی زیادہ نہ تھی۔ اسلئے جو کچھ تھوڑی سی مدد ہو سکی کر دی۔ میری خواہش یہ تھی۔ کہ دوسرے دن آکر اُن کی خبر لونگا۔ لیکن اتفاقاً پتاجی بیمار ہو گئے۔ اور مجھے کاشی جانا پڑا۔ وہاں بہت دیر لگ گئی سال کے بعد واپس لوٹا۔ لیکن اس سال کے عرصے نے میرے دل سے رادھا رانی کا خیال دور نہ کر دیا تھا۔ اُسکی تصویر میرے آئینہ دل میں ویسی کی ویسی بنی ہوئی تھی۔ میں اُسی جھونپڑی میں گیا —— لیکن وہ وہاں نہ تھے جھونپڑی خالی تھی۔"

رادھا رانی نے پوچھا "ایک بات پوچھتی ہوں۔ معلوم ہوتا ہے۔ اُسدن آپ بارش کے باعث ہی رادھا رانی کی جھونپڑی میں گئے تھے وہاں آپ کتنی دیر ٹھہرے ہونگے؟"

"زیادہ نہیں۔ میں نے رادھا رانی کو جو دیا تھا۔ وہ اُسے دیکھنے اندر گئی تھی۔ اُسوقت میں اُسکے لئے کپڑا خریدنے چلا گیا۔"

"اور بھی کچھ دیا تھا؟"

"کیا دیتا۔ ایک چھوٹا سا نوٹ جیب میں تھا۔ وہ بھی جھونپڑی میں پھینک دیا تھا۔"

"یہ آپ کی غلطی تھی۔ اُن لوگوں نے سوچا ہوگا۔ کہ یہ نوٹ غلطی سے گر گیا ہے۔"

"مگر میں نے تو پنسل سے اُسپر دستخط بھی کر دیئے تھے۔ تاکہ اُن کو یہ دھوکا نہ لگے۔ نیز کھیلانے میں دقت نہ ہو۔ اسلئے جب یہ اشتہار دیکھا اور رادھا رانی کا نام سُنا۔ تو میرے دل میں یکایک خیال آیا۔ کہ ممکن ہے یہ وہی رادھا رانی ہو۔ اور اُسی رکمنی کمار کو تلاش کر رہی ہو۔"

"اسی لئے تو میں کہتی تھی۔ کہ تم بڑے بے درد ہو۔ جو آپ کے قدم چھونے کے لئے ...."

یہ کہتے ہی ——— جس طرح پھول کی کلی میں بھرا ہوا پانی نیچے جھکانے سے آن واحد میں بہنے لگتا ہے۔ اسی طرح رادھا رانی نے سر جھکایا۔ تو اس کی آنکھوں سے پانی برسنے لگا۔ رادھا رانی دل کی بے اختیاری پر بہت شرمائی۔ اور جس طرف رکمنی کمار بیٹھے تھے۔ اس طرف اپنے منہ پر ساڑھی کا آنچل نیچے کھینچ کر باہر نکل گئی ؛

معلوم ہوتا ہے۔ رکمنی کمار نے رادھا رانی کی پھول ایسی آنکھوں میں پانی کے قطرے نہیں دیکھے۔ یا شائد دیکھ ہی لئے ہوں۔ بڈھا مصنف آج کل کے نوجوانوں کی باتیں نہیں جانتا ؛

ساتواں باب

عورت کا دل

باہر آ کر رادھا رانی نے ہاتھ منہ دھویا۔ اور سوچا۔ کہ یہ تو وہی رکمنی کمار ہیں۔ اور میں بھی وہی رادھا رانی ہوں۔ آج تک اندر ہی اندر ایک دوسرے پر جان چھڑکتے رہے ہیں۔ اب کیا تدبیر ہو ؛

میں وہی رادھا رانی ہوں۔ اس کا یقین دلانا تو آسان ہے۔

لیکن سوال یہ ہے کہ اسکے بعد کیا ہوگا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ میری ذات کے نہ ہوں۔ یا اگر ہوں۔ تو کنوارے نہ ہوں۔ اس حالت میں کیا ہوگا اُن کے ساتھ بات چیت کرنا بے فائدہ ہے۔ نہ سہی۔ شادی نہ ہوگی۔ تو نہ سہی۔ اُن کے نام کی مالا سمرن کرتے ہوئے زندگی گذارنا تو مشکل نہیں جس طرح زندگی آج تک کٹی ہے۔ اُسی طرح آگے بھی کٹ جائیگی۔ مشکل کیا ہے؟

مشکل کیا ہے۔ کہہ تو دیا۔ لیکن کیا یہ کام آسان ہے۔ رادھا رانی کا سر چکرانے لگا۔ آنکھوں سے کتنے ہوئے آنسو پھر بہنے لگے۔ رادھا رانی نے دل کو سمبھالا۔ آنکھوں کے آنسو پونچھے۔ اور پھر سوچنے لگی۔

ممکن ہے۔ یہ میری ذات کے ہی نکل آئیں۔ لیکن کون جانے۔ وہ شادی شدہ ہی ہوں۔ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ اُن کی عمر ذرا زیادہ ہے۔ پھر کیا یہ ممکن ہے۔ کہ اب تک کنوارے ہوں۔ کنوارے نہ سہی۔ شادی شدہ ہی ہوں۔ تو کیا اُس حالت میں بھی شائد......"

رادھا رانی نے ذرا ٹھہر کر سوچا۔ نہیں یہ نہیں ہوسکتا۔ نام لیتے ہوئے مرجانا زیادہ اچھا ہے۔ لیکن سوت کا جلاپا نہ سہا جائیگا۔

تو اب کیا کروں؟ کیا ذات پات کا سوال پوچھوں اور بتلادوں۔ کہ میرا اُس رادھا رانی سے کیا تعلق ہے۔ اور یہ بھی پوچھ لوں۔ کہ وہ کون ہیں۔ کیونکہ یہ تو وہ خود ہی کہہ چکے ہیں۔ کہ رکمنی کمار اُن کا اصلی نام نہیں۔

اسکے بعد؟ اسکے بعد کیا ہوگا۔ کیا اُنہیں وداع کردوں اور

اندر بیٹھکر قسمت کو روؤں۔ واہ ری بسنت کماری! تو نے خواہ مخواہ کے جھنجھٹ میں ڈال دیا۔ کیا تجھے یہ معلوم نہیں۔ کہ اِس سنسار سمندر کو بلونے سے کسی کو امرت ملتا ہے۔ اور کسی کو زہر۔

اچھا اپنا آپ ظاہر تو کروں۔ یہ کہکر رادھارانی نے جسے جان سے بھی زیادہ عزیز سمجھ کر رکھا ہوا تھا۔ اُسے باہر نکالا۔ یہ تھا وہی پرانا سو روپے کا نوٹ۔ اُسے اپنے آنچل میں باندھتے ہوئے سوچا۔ اچھا! اگر میری قسمت نے یاوری کی۔ اور ہر ایک بات میری خواہش کے بموجب ہی نکلی۔ تو باقی معاملہ چھیڑیگا کون۔ کیا میں آپ؟" اِس پر رادھارانی ہنسی کے مارے لوٹ پوٹ ہوگئی۔ پھر سوچا۔ نہیں نہیں ہو سکتا۔ میں اپنے منہ سے تو کچھ نہ کہہ سکوں گی۔ تو کیوں نہ انہیں ایک دن کے لئے روک کر بسنت کو بلا لوں۔ اس اثناء میں یہ میری لائبریری کی کتابیں پڑھتے رہیں گے۔ وہ بنائی بھی تو اُنہیں کیلئے ہے لیکن اگر وہ اِسپر راضی نہ ہوئے۔ یا اُنہیں کوئی ضروری کام ہوا۔ تو پھر کیا ہوگا۔ تو کیوں نہ میں خود ہی بات چیت کا سلسلہ شروع کردوں۔ انگریزوں کی لڑکیاں یہی کرتی ہیں۔ مگر ہمارے لوگ تو اسے بھی بُرا سمجھتے ہیں۔ کہ لڑکی دس بارہ سال کی عمر میں بیاہی نہ جائے۔ اور میری عمر اٹھارہ سال کی ہو چکی ہے۔ یہ بھی انگریزوں کی لڑکیوں کا ہی دستور ہے۔

جب کوئی راستہ نہ ملا۔ تو رادھارانی رنجیدہ ہوگئی۔ اور پھر سوچنے لگی۔ مان لو یہ بھی ہو جائے۔ تو بھی مشکل ہی ہے۔ زبان کیسے کھلیگی گوری لڑکیوں میں ہی یہ رسم ہے۔ کہ مرد سے خود بات چھیڑیں۔ اگر انہوں نے کچھ نہ کہا ـــــ کچھ ذکر نہ چھیڑا۔ تو میں کیا کروں گی۔

مرد کے سامنے عورت پہلے بات کیسے کر سکتی ہے ؟
بھگوان! شرم بھی تم نے پیدا کی ہے۔ اور میرے دل میں جو آگ ہے۔ وہ بھی تم نے ہی لگائی ہے۔ کیا اُس آگ میں شرم جلکر خاک نہ ہو جائیگی۔ میں یتیم ہوں۔ میری امداد کرنے والا کوئی نہیں۔ مجھے تھوڑی دیر کے لئے بے حیا بنا دو۔ میری زبان کھول دو۔

آٹھواں باب

نازونیاز

معلوم ہوتا ہے۔ بھگوان دل سے نکلی ہوئی بات کو ضرور منظور کر لیتے ہیں۔ ورنہ رادھا رانی کو ایسا حوصلہ کیسے ہو سکتا۔ وہ مسکراتی ہوئی آہستہ آہستہ رکمنی کمار کے پاس ـــــ رکمنی کمار ہی لیں گے۔ اصلی نام تو ابھی معلوم نہیں ہوا۔ رکمنی کمار کے پاس پہنچی۔
کمار نے کہا۔ میں اب تک چلا گیا ہوتا۔ لیکن ایک تو آپ نے وداع نہیں کیا۔ دوسرے جو بات دریافت کرنے آیا تھا۔ وہ معلوم نہیں ہوئی۔ اس لئے نہیں گیا۔"
"آپ رادھا رانی کے لئے آئے تھے۔ اُسے میں جانتی ہوں۔ اس مکان میں بھی ایک رادھا رانی ہے۔ یہ بھی سچ ہے۔ لیکن وہ آپکو جانتی ہے یا نہیں۔ اسی کا تصفیہ کرنے کے لئے میں آئی ہوں۔"

"پھر"

رادھا رانی نے بہت کچھ مسکرا کر اپنے جسم کے اِرد گرد دیکھ کر ہاتھ کے موٹے کپڑے کو کریدتے ہوئے رکمنی کمار کی طرف نہ دیکھکر کہا "آپ کا بیان ہے۔ کہ رکمنی کمار آپ کا اصلی نام نہیں ہے۔ جس دیوتا کا وہ دن رات پوجن کرتی رہتی ہے۔ اُس کا اصلی نام بھی تو اُسے معلوم نہیں"

"یہ دیوتا کس نے کہا ہے"

رادھا رانی نے یہ بات معمولی طور سے کہہ دی تھی۔ لیکن بگڑی کو بنانے کے لئے بولی "نام پوچھنے کا یہی طریقہ ہے"

رکمنی کمار نے جواب دیا۔ میرا نام دیویندر نارائن رائے ہے"

رادھا رانی کے دل کا کنول کھل گیا۔ اُسنے دل ہی دل میں ایشور کا شکریہ ادا کیا۔ اور کہا۔ پربھو تیری دیا کا پار نہیں۔ ذات تو مل گئی۔ ظاہرا کہا "راجہ دیویندر نارائن رائے کا نام تو سنا ہوا ہے"

"ضرور سنا ہوگا"

"میرا حوصلہ بڑھ گیا۔ آپ میری ذات کے ہیں۔ اسلئے جی چاہتا ہے۔ کہ آج آپ میرے مہمان ہو کر رہیں"

"یہ بعد میں دیکھا جائیگا۔ پہلے یہ کہو۔ رادھا رانی کون ہے"

"کھانا کھا چکنے کے بعد بتلاؤں گی"

"دل میں فکر ہو۔ تو کھانے کا مزہ نہیں آتا"

"لیکن اُسکے لئے آپ اتنے متفکر کیوں ہیں"

رکمنی کمار نے رادھا رانی کو ایک عجیب نگاہ سے دیکھتے ہوئے جواب دیا "فکر ہے۔ لیکن پتہ نہیں کیوں۔ ہاں اتنا جانتا ہوں۔ کہ یہ فکر آٹھ برس

سے ہے۔"

"ایک ہی دفعہ رادھا رانی کا حال بتلاتے ہوئے مجھے ہچکچاہٹ ہوتی ہے۔ آپ رادھا رانی کو پائیں گے۔ تو کیا کریں گے؟"

"دیکھوں گا اور کیا کروں گا۔"

رادھا رانی نے اُس نگاہ سے جس میں پتھر کو پگھلانے کی قوت بھری ہوئی تھی۔ رکمنی کمار کو دیکھا اور کہا۔ "کیا ایک دفعہ دیکھنے کے لئے ہی آٹھ برس سے اُسے دل میں رکھے ہوئے ہو؟"

"ہاں! دُنیا میں سبھی طرح کے آدمی ہوتے ہیں۔"

"اچھا آپ بھوجن کر لیں۔ اس کے بعد میں آپ کی رادھا رانی آپ کے سامنے پیش کر دوں گی۔ لیکن یہ چوبڑا آئینہ ہے۔ اس میں عکس دکھاؤں گی۔ ایک دوسرے کو آمنے سامنے نہ دیکھ سکیں گے۔"

"اس میں ہرج کیا ہے؟ میں تو اس کے لئے آٹھ برس سے بیتاب ہوں۔"

"یقین نہیں آتا۔ اچھا یہ تو کہئے۔ کہ آپ نے جب اُسے دیکھا تھا تو اُسکی عمر کیا تھی؟"

"گیارہ برس ہوگی۔"

"گیارہ برس کی لڑکی کا اتنا خیال۔ ایسا پیار؟"

"کیوں اس میں تعجب کیا ہے؟"

"ایسا کبھی سُنا نہیں۔"

راجہ دیویندر ناتھ نے دل ہی دل میں کہا۔ پتھر کی مورت! اب پہنچی کبھی ہے یا نہیں۔ بظاہر بولے۔ "کیا اسے دگی سمجھتی ہو؟"

"ہاں اور کیا سمجھ سکتی ہوں"

"مجھے صرف اُسکے دیکھنے کی خواہش ہے"

"میں دکھا دونگی۔ لیکن آئینے میں۔ بولو منظور ہے"

"لیکن آمنے سامنے ہونے میں کیا ہرج ہے"

"وہ بہت شریف گھرانے کی لڑکی ہے"

"آپ بھی تو شریف گھرانے کی ہی ہیں"

"میری کچھ جائداد ہے۔ اُس کا انتظام کرنا ہوتا ہے۔ اسلئے بعض وقت پردہ نشینی نہیں نبھ سکتی۔ لیکن وہ اپنے شوہر کے بس میں ہے"

"شوہر؟"

"ہاں! اِس میں تعجب کیا ہے؟"

"اُس کی شادی ہوگئی"

"ہندو کی لڑکی اُنیس سال کی عمر تک کنواری بیٹھ سکتی ہے"

راجہ دیو بیندر نارائن کا مُنہ سرخ ہوگیا۔ جیسے کسی نے طمانچہ مار دیا۔ رادھا رانی بولی "کیا اُسکے ساتھ بیاہ کی خواہش تھی"

"انسان خواہش کس بات کی نہیں کرتا"

"کیا اِس بات سے رانی صاحبہ واقف ہیں"

"کون رانی صاحبہ؟ رادھا رانی سے ملاقات ہونے سے پیشتر میری عورت کا انتقال ہوچکا تھا"

رادھا رانی کے دل کا بوجھ ہلکا ہوگیا۔ لیکن اینٹھ نہ چھوڑی۔ پوچھا "یہ تو آپ کو معلوم ہوگیا۔ کہ رادھا رانی کا بیاہ ہوچکا ہے۔ کیا اب بھی اُسے دیکھنے کی خواہش ہے"

"ہاں ہے"

"اور یہ خواہش جائز ہے؟"

"رادھا رانی مجھے تلاش کیوں کرتی تھی۔ یہ تو مجھے اب بھی معلوم ہوا"

"جو احسان آپ نے اُسپر کیا تھا۔ اُس کا معاوضہ دینے کے لئے کیا آپ لے لیں گے"

"جو کچھ دیا تھا۔ وہ ملے تو لے لیں گے"

"کیا کیا دیا تھا؟"

"ایک نوٹ"

"یہ لو"

دیویندر نارائن نے دیکھا۔ وہی نوٹ ہے۔ وہی دستخط سنائے میں آ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد بولے۔ کیا اِس نوٹ کو رادھا رانی کے شوہر نے دیکھا ہے؟"

رادھا رانی اب جھوٹ کو زیادہ دیر نہ نبھا سکی۔ آہستہ سے بولی "وہ ابھی کنواری ہے۔ اُسکے بیاہ کی بات ہیں نے جھوٹ کہی تھی"

"اچھا تو ابھی سب چیزیں واپس نہیں ملیں"

"اور کیا باقی ہے"

"دو روپے اور کپڑا"

"اگر سارا قرضہ بیباق کر دیا گیا۔ تو آپ بغیر کھانا تناول کئے واپس چلے جائیں گے۔ مہاجن حساب ہو جانے پر بھی کہیں ٹھہرا کرتے ہیں۔ آپ کھانا کھا لیں۔ تو رادھا رانی آپ کا باقی حساب صاف کر دیگی"

"پھر بھی بہت کچھ باقی رہ جائے گا"

"وہ کیا۔ یہ بھی کہہ ڈالئے"

"میں نے اُس کو نقد دل دیا تھا۔ کیا وہ بھی دے گی"

رادھا رانی ضبط نہ کر سکی۔ بولی وہ اپنا دل اور دماغ بہت دنوں تک آپ کے پاس رہن رکھے رہی ہے۔ اِسلئے یہ قرضہ ادا ہو چکا ہے"

چوٹ برابر کی تھی۔ لیکن راجہ صاحب خاموش نہ رہے۔ جلدی سے بولے "سود تو ملا ہی نہیں"

"ضرور ملے گا۔ گھبرایئے نہیں"

"کیا ملے گا؟"

"شبھ لگن۔ شبھ گھڑی اور شبھ مہورت دیکھ کر اپنے عورت کے جسم کو آپ کی نذر کر کے رادھا رانی آپ کا سود ادا کرے گی"

یہ کہکر رادھا رانی کمرے سے باہر نکل گئی۔

نواں باب

خاتمہ

رادھا رانی کا حکم پا کر نائب صاحب آئے اور راجہ دیویندر نارائن کو باہر والی کوٹھی میں لے گئے۔ وقت مقررہ پر راجہ صاحب نے کھانے سے فراغت حاصل کی۔ اُس وقت رادھا رانی سامنے بیٹھی تھی۔ اُس نے کہا۔ آپ کے دو روپے نقد اور کپڑا میرے ذمہ ہیں۔ کپڑا

پھٹ گیا۔ روپے خرچ ہو گئے۔ اسلئے یہ اشیاء واپس نہیں مل سکتیں
اُنکے بدلے میں آپ کے لئے جو کچھ رکھا ہؤا ہے۔ وہ لے لیجئے" یہ کہکر
ایک ہیروں کا ہار لیکر راجہ صاحب کے گلے میں پہنانے کو آگے بڑھی۔
لیکن اُنھوں نے روک دیا اور کہا "اگر دینا ہی ہے۔ تو اپنے گلے کا ہار دو"
رادھا رانی نے ہنستے ہنستے اپنے گلے کا ہار اُتارا اور راجہ صاحب کے
گلے میں ڈال دیا۔ راجہ صاحب بولے "اب ہم تمہارے مقروض ہیں"
"وہ کیسے"
"پھولوں کے ہار کی قیمت تو تم نے واپس کر دی۔ اب وہ پھولوں کا
ہار تمہیں واپس دینا ہے"
رادھا رانی نے ہنسکر کہا "وہ میں نے تمہیں بخش دیا"
لیکن راجہ صاحب نے جواب دیا "میں بخشش نہیں چاہتا"
یہ کہکر اُنھوں نے اپنے گلے سے ایک موتیوں کی مالا اُتاری اور
رادھا رانی کے گلے میں ڈالکر بولے "اب میں بھی سبکدوش ہؤا"
اتنے میں کسی نے شنکھ بجا دیا۔ رادھا رانی نے حیرت سے کہا۔
"یہ کیا؟ شنکھ کس نے بجایا؟"
ایک نوکرانی نے جس کا نام چترا تھا۔ آگے بڑھکر کہا "سرکار
میں نے بجایا ہے"
"مگر کیوں بجایا ہے؟"
"انعام لینے کے لئے"
یہ کہنے کی ضرورت نہیں۔ کہ چترا کو انعام ملا۔ لیکن یہ لفظ رادھا رانی
نے خود ہی سکھایا تھا۔

اسکے بعد دونو نے تنہائی میں بیٹھ کر بات چیت کی۔ رادھا رانی نے اپنے تمام حالات راجہ دیویندر نارائن کو سنائے۔ اُن کا دل اس طرح ٹھنڈا ہوا۔ جس طرح گرمی سے تپا ہوا پہاڑ بارش سے سرد ہو جاتا ہے اُنہوں نے پوچھا "رادھا! تمہارا رشتہ دار تو کوئی نہیں۔ لیکن دیکھتا ہوں کہ گھر سارا بھرا ہوا ہے"

رادھا رانی نے ہنسکر جواب دیا "جب دن خراب تھے۔ تب کوئی رشتہ دار نہ تھا۔ لیکن جب تقدیر نے پلٹا کھایا۔ تو غیر بھی اپنے ہو گئے۔ میں بھی اکیلی تھی۔ اس لئے اُنکو پاس رکھ لیا"

"کیا ان میں کوئی ایسا بھی ہے۔ جو مجھ جیسے غریب کنگال کو تمہارا کنیا دان دے سکے"

"ہاں ہے"

"تو پھر مہورت کیوں نہیں نکلواتے"

"شائد یہ سب انتظام ہو چکا ہے۔ اگر نہ ہو جاتا۔ تو رادھا رانی اسطرح آپ کے ساتھ گفتگو میں مشغول نہ ہوتی۔ کیا خبر لوں؟"

"ہاں۔ دیر کرنے میں فائدہ ہی کیا ہے؟"

رادھا رانی نے پکارا "چترا"

چترا حاضر ہو گئی۔ رادھا رانی نے پوچھا "کیا ساعت دیکھی گئی"

"ہاں! نائب صاحب نے پروہت جی کو بلایا تھا۔ اُنہوں نے کہا ہے کہ پرسوں بڑی اچھی لگن ہے۔ اب نائب صاحب انتظام میں مشغول ہیں"

بیاہ میں بسنت بھی آئی۔ کا ماکھیا بابو کا لڑکا بھی آیا۔ اور راجہ دیویندر نارائن کے دوست بھی آئے ۰

رادھا رانی نے کہا "بسنت! تمہاری عقل پر کیسے پتھر پڑ گئے ۔ جس کسی کو چاہتی ہو چٹھی دے کر بھیج دیتی ہو - یہ کیا"

"لیکن یہ تو کہو جس شریف آدمی کو میں نے تمہارے پاس بھیجا تھا کیا اُس نے تمہارا کچھ نقصان کیا ہے"

رادھا رانی نے اُسے سارا قصہ سُنا دیا - بسنت بولی "تب تو بہت بُری بات ہوئی - مہاجن کو اُسکے اسامی کا گھر بتلا دینا واقعی بُری بات ہے - کیونکہ اُسنے اپنا اصل بمع سود لے لیا ہوگا"

"اسی وجہ سے میں تیرے گلے میں پھانسی کی رسی ڈالوں گی"

یہ کہکر رادھا رانی نے وہی ہیروں کا ہار جو وہ راجہ دیویندر نارائن کو دینا چاہتی تھی - بسنت کے گلے میں پہنا دیا ۔

اسکے بعد کیا ہوا؟

دونوں کا بیاہ ہوا - دونو کے کلیجے ٹھنڈے ہوئے - پرماتما کرے - جیسا انجام اِس قصے کا ہوا ہے - وہی سب کا ہو ۔

ختم شد

عجیب و غریب مقبول عام دلچسپ اخلاقی کتب

شاہی لکڑ ہارا ۔ جو دھپور کے ایک راجکمار کی زندگی کے نشیب فراز۔ اسکی بیوی کا اپشور وشواس اور عصمت ۔ نیکی بدی کے انجام کا مؤثر خاکہ ۔ کرم بھوگ کی اعلےٰ ترین مثال ۔ اسقدر مقبول عام کہ تین تین ہزار کی چار ایڈیشن سال میں بک گئیں قیمت اُردو ۶ ہندی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۶

شاہی ڈاکو ۔ ایک دلآویز۔ لاثانی ۔ تاریخی ناول ۔ بوندی راج کے بانی کے پولٹیکل ٹاکے وطن کی محبت مصیبت کے وقت آزادی قائم رکھنے کی ہمت بخش داستان ۔ بلحاظ رنگینی اور زیبائی عبارت دلکش ہے قیمت ۶ ہندی ۔ ۔ ۔ ۶

شاہی بھکارنی ۔ قسمت کے کھیل ہونیوالی بات ہو کر رہتی ہے بھگتی بھاو ۔ فلسفہ کے رموز حسن و عشق کے دلچسپ مناظر قیمت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۶

شاہی پتی پرائن ۔ گوجرات کی ایک رانی کی پُرسوز کہانی ۔ پتی برت دھرم کی جیتی جاگتی تصویر ۔ قیمت دس آنے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۱۰/

شاہی جادوگرنی ۔ یہ ایک عجیب معنی خیز ناول ہے جس میں دکھلایا گیا ہے ۔ کہ استری اپنے تئیں بُرا سمجھے یا پُرش اپنے تئیں درحقیقت دونو ایک گاڑی کے پہیہ ہیں ۔ ایک آسام کی رانی کا حال ہے ۔ جو بذریعہ جادو کام لیتی تھی ۔ قیمت ایک روپیہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۱

شاہی بھوت ۔ ایک دلچسپ نصیحت آموز ناول ۔ اس میں دکھلایا ہے کہ پاپی کے مارنے کو پاپ مہابلی ہے ۔ پاپی کو اپنی ضمیر ہی سزا دے دیتی ہے قیمت آٹھ آنہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۸/

شاہی چور: چھوٹا سا دلچسپ سبق آموز ناول قیمت .. .. .. ۲؍
بھارت جننی کے آخری لمحے: بھارت کی فغان اپنے حالت زار پر۔ حسب ارشاد شیر پنجاب لالہ لاجپت رائے جی طبع ہوئی ہے۔ اس کا مطالعہ دلچسپی اور واقفیت کا باعث ہے۔ قیمت صرف .. .. ۲؍
سوامی دیانند جی کا جیون چرتر: سوتے بھارت کو جگانے والے گمراہوں کو ویدک الٹین سے رستہ دکھانیوالے مہرشی کا جیون .. .. .. ۸؍
شبانہ پر بہا: لالہ لاجپت رائے جی کی جلاوطنی کی تصنیف۔ ملک برہما کی مختصر دلچسپ تاریخ۔ قیمت .. .. ۸؍
تحقیقات مذاہب: کتاب کا نام ہی مضمون کا آئینہ ہے فخر قوم شریمان لالہ لاجپت رائے جی لوجنیہ پتا کی بہترین تصنیف۔ ویدک دھرم کی فضیلت پر قیمت .. .. ۸؍
داستان جلاوطنی: فخر قوم شریمان لالہ لاجپت رائے کی جلاوطنی کی خود نوشت انگریزی کتاب کا اردو ترجمہ۔ باتصویر۔ قیمت ایک روپیہ .. .. ۸؍
جاپان کی حیرت انگیز ترقی: ایشیا میں بیداری کا پہلا قدم۔ خواہان ترقی کے قابل مطالعہ دلچسپ واقفیت کا خزانہ۔ قیمت .. .. ۱۰؍
سری کرشن اور انکی تعلیم: سوانح عمری یوگی راج سری کرشن بھگوان۔ قیمت صرف ایک روپیہ .. .. ۸؍
رسالہ روح و تناسخ: روح و جسم کی بابت کمل و مفصل رسالہ۔ فخر قوم شریمان لالہ لاجپت رائے کے پوجنیہ پتا کے قلم سے صرف .. .. .. ۲؍
سیواجی مرہٹہ: بہادر قابل فخر مرہٹہ سردار کے حالات زندگی باتصویر قیمت ۸؍
مشعل زندگی: از پروفیسر جگدیش مترجی ہپنوٹسٹ۔ اس کا مضمون ہو بہو

اس کے نام کے مطابق ہے۔ نوجوانوں کی مشعل زندگی کو روشن اور مفید بنانے کے لئے
مفید ترین ہدایات درج ہیں۔ قیمت ۶ھ

کلیات سوامی رام تیرتھ - ایشور کے رنگ میں رنگے ہوئے اپنے آپ کو
بھولے ہوئے پوتر آتما کا مست کلام ۶ھ

وید انوبچن - مصنفہ عالی جناب بابا نگینہ سنگھ آتم درشی ... ... ۱۲ آنہ

شانتی کا مندر - تو غیر متعصب عالم باعمل مہاتما شہنشاہ جی کی مشہور تصنیف ۱۲ آنہ
کاشف القلب اردو قیمت ۱۲ھ کا صرف دیباچہ ہی ہے مضامین میں سے چند ایک
یہ ہیں: - خدا کس کو ملتا ہے؟ خدا کس طرح ملتا ہے؟ خدا کا ٹھکانہ کام سے بچنے کا
سہل ترین نسخہ۔ آنند۔ رام رام۔ سلام علیکم۔ نمستے۔ یہ دلچسپ سبق آموز نتیجہ خیز کتاب
ہر ایک اخلاقی۔ روحانی اور جسمانی ترقی کے خواہاں کے پاس ضرور ہونی چاہیئے قیمت
مجلد ایک روپیہ آٹھ آنے ۱۲ھ حجم ... ۳۰۰ صفحہ۔

مندرجہ ذیل کتابیں ہر استری پرش کے پڑھنے کی ہیں۔ جہاں ان سے پراچین آریہ
سبھیتا اور اس کی اوچیہ اوستھا کا درشیہ دکھائی دیتا ہے۔ وہاں ان میں جگہ جگہ سکھشا
ملتی ہے اور موجودہ کمزوریوں کے دور کرنے کے وسائل کا پتہ لگتا ہے۔ انکو دلچسپ اور
مفید ترین کہنا بجا ہوگا۔ کہیں تصوف کے نکات اور اشارات نفسی کے رموز پر بحث ہے
کہیں جوانمردوں کی دلیری و قربانی کے تماشے لفظوں کی بندش میں دکھائے گئے
ہیں۔ اگر کہیں ظلم و ستم کے رقت انگیز بیانات پڑھ کر آنکھوں سے بے اختیار آنسو
جاری ہوتے ہیں۔ تو کہیں استقلال و ثابت قدمی کی تصویر دیکھ کر رونگٹے کھڑے
ہوتے ہیں۔ اور دھرم پھلاولو پوتر تا پر عش عش کرنا پڑتا ہے۔

طوفان جنگ - لاثانی انسانی شجاعت کے تعجب خیز کاروبار کا حیرت انگیز
نظارہ۔ سچے جان باز جری اور محب الوطن۔ قوم پرستوں کی سچی وطن پرستی کے پرجوش

جذبات کا موثر خاکہ مہارانا پرتاپ کی مکمل سوانح عمری ناول کے پیرایہ میں از قلم
بابو شیوبرت لال جی صفحہ ۲۱۲ ... ... ۱۲؍
سچی ماتائیں۔ اس میں بھلا۔ سچی عورت۔ مینادلی۔ دیابائی کے حالات ہیں
۴۸ صفحہ قیمت ... ... ۳؍
ہندو ماتائیں۔ پاربتی دیوی۔ کانتی۔ شرت سندری دیابائی ہیمنت کماری
ڈونگرپور کی ٹھکرانی رشمی ماتا۔ بھانومتی۔ چندرکلا۔ مرگ نینی۔ پران بائی۔
اور لاجونتی کے جیون برتانت ہیں۔ قیمت ... ... ۴؍
ہماری ماتائیں۔ یہ استری پرشوں خصوصاً استری کے لئے اتی شکشا
دائک پستک ہے اور اس قدر مقبول عام ہے۔ کہ تینوں زبانوں میں چھپانی
پڑی اُردو ۱۲؍ ہندی ۱۲؍ گورمکھی ... ... ۱۲؍
شجاع و عالم استریوں کے کارنامے۔ اسمیں ان بہادر و ودیاوان اور
باعصمت استریوں کے حالات ہیں جنہوں نے ویر پرشوں کے پہلو بہ پہلو بلکہ
اُن کی جگہ قابل فخر کام کیا۔ اُردو ۳؍ ہندی ... ... ۵؍
ستی برتانت۔ ۸ پتی برتا استریوں کے حالات جنہیں پڑھکر خاص سبق حاصل
ہوتا ہے۔ ماؤں بہنوں۔ استریوں کے پڑھنے اور سنانے کے قابل ہے۔
قیمت اُردو ۱۰؍ ہندی ... ... ۱۲؍
سچی استریاں۔ مضمون نام کتاب سے ظاہر ہے۔ اپنی قسم کے دلچسپ سبق
آموز حالات نہایت ہی ہردلعزیز ہیں۔ قیمت اُردو ۱۲؍ ہندی ... ... ۱۲؍

ملنے کا پتہ

لاجپت رائے پرتھوی راج ساہنی پبلشرز و تاجران کتب
لوہاری دروازہ لاہور